ہلال خصیب[1] اور وادیٔ سندھ

(از جناب میجر خواجہ عبدالرشید صاحب آئی، ایم ایس)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ — اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے (دنیا کی) ہر امت
رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ — کوئی نہ کوئی رسول ضرور پیدا کیا (تاکہ اس پیغام حق
اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ — کا اعلان کرے) کہ اللہ کی بندگی کرو اور سرکش قوتوں سے
مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ — بچو، پھر ان امتوں میں سے بعض ایسی تھیں جن پر اللہ نے
حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ — کامیابی کی راہ کھول دی، بعض ایسی تھیں جن پر
فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ — گمراہی ثابت ہوگئی۔ پس ملکوں کی سیر کرو اور دیکھو
فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ — جو قومیں (سچائی کی) جھٹلانے والی تھیں انھیں
الْمُكَذِّبِيْنَ۔ — بالآخر کیسا انجام پیش آیا؟

کئی ہزار سال کا واقعہ ہے جب بابل اور سندھ کے میدان آہستہ آہستہ بننے شروع ہوئے۔ شمال کی طرف سے جو دریا آنے والے تھے وہ اپنے ساتھ نہایت زرخیز مٹی بہاتے لاتے اور بڑی عمدگی کے ساتھ ان میدانوں میں بچھا دیتے۔ یہ سلسلہ عرصۂ دراز تک جاری رہا یہاں تک کہ یہ علاقے اس قدر زرخیز ہوگئے کہ ان کی شہرت دور دراز تک پہنچ گئی۔ یہ میدان وادی نیل کے میدانوں سے بہت پہلے بنے۔ اور جب عراق اور سندھ کے شمالی پہاڑی سلسلوں سے دائمی برف پگھلنا شروع ہوئی تو پانی اس قدر افراط سے بہا کرتا تھا کہ مٹی کے انبار ساتھ لے آتا

---

[1] یہ میں نے Fertile Cresent. کا ترجمہ کرکے ایک نئی اصطلاح سے تعارف کرایا ہے اس کا حدود اربعہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے۔

اول اول یہ تمام علاقے برف کے نیچے دبے ہوئے رہتے تھے۔ قیاس اس وقفے کا اندازہ صحیح طور پر نہیں لگا سکتا، تاہم ایک مدت دراز ہو چکی جبکہ شمالی سلسلہ کوہستانی دائمی طور پر برف سے ڈھکے ہوئے تھے یہ وقت Ice Age کا تھا۔ مگر پھر موسموں کے تغیر نے ان کو آہستہ آہستہ صاف کر دیا اور ان سے جو پانی بہا وہ اپنے ساتھ تمام علاقوں کی مٹی بہا تا لے گیا۔ اور سمندر میں گرنے سے پیشتر اس کو اس طرح بچھا دیا کہ وہاں پر ایک اعلیٰ قسم کا میدان جو کہ نہایت درجہ زرخیز تھا اور کاشتکاروں کے لئے بہشت کا نمونہ تھا چھوڑ گیا۔

ہلالِ خصیب کا محل وقوع کچھ نصف دائرے کی طرح ہے جیسا کہ اس کا نام بتا رہا ہے۔ سکندر مقدونی کے بعد اس علاقے کے کچھ حصے کو میسوپوٹامیا (Meso Potamia) کہا جاتا تھا۔ اس ہلال کا کھلا حصہ جنوب کی طرف ہے۔ اس کے مغرب کی طرف بحرِ متوسط کا مشرقی کنارہ ہے اور اس کا وسط حجازِ عرب کا عین شمال۔ اور جو مشرقی حد ہے وہ خلیجِ فارس کے ساتھ ٹکراتی ہے۔ دنیا کی سب سے قدیم تہذیبیں اسی ہلال سے نمودار ہو رہی ہیں۔ موجودہ صدی میں وادی سندھ میں بھی دو تین مقامات پر اہم انکشافات ہو چکے ہیں۔ اور اس علاقے کی تہذیب بھی بہت قدیم ثابت ہو چکی ہے۔ ماہرین آثارِ قدیمہ نے ان دونوں علاقوں میں کچھ مناسبت پائی ہے جو کہ تاریخ کے لحاظ سے بہت اہم ہے مگر فی الحال یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مستشرقین کو ایسے انکشافات سے کہاں تک اتفاق ہے۔ تاہم اتنا ضرور ہے کہ انکشافات نہایت دلچسپ اور قابلِ غور ہیں۔

(Huxley) ہکسلے اپنے مضامین میں تاریخ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"سائنس دنیا کو یہ سکھا رہی ہے کہ اپیل کی آخری عدالت مشاہدہ اور تجربہ ہے نہ کہ سند"

ہماری رائے میں یہ ایک نہایت لطیف نکتہ ہے جو انھوں نے بیان کیا ہے۔ جدید انکشافات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسناد اور اخراج المدفون کا عمل دو بالکل متضاد چیزیں ہیں۔ جبوقت کسی دفن شدہ قدیم تہذیب کا اخراج کیا جاتا ہے تو ماہرینِ فن اول تو

سنی سنائی باتوں پر عمل کرتے ہیں۔ یا ایسے علاقوں کا تجربہ کی بنا پر ایک سطحی مشاہدہ کر کے اپنا عمل شروع کر جاتے ہیں اور جس وقت خاطر خواہ انجام حاصل ہو جاتا ہے تو بعد میں اس تہذیب کا وقت معین کرنے کے لئے اسناد کی تلاش شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ حاصل شدہ کتبوں اور دیگر اشیاء سے جو دوسرے مقامات سے ظاہر ہو چکے ہوتے ہیں مناسبت قائم کر لی جاتی ہے۔

درحقیقت قدیم تاریخ کا حل ایک نہایت سست رفتار عمل ہے اور وجہ اس تساہل کی یہ ہے کہ مختلف ماہرین فن جو بیک وقت مختلف مقامات پر مصروف کار ہوتے ہیں، ذاتی طور پر اگر ان کے ہاتھ کچھ لگ جائے تو ان کی تفصیل اس چیز کے متعلق کچھ مختلف ہوتی ہے یعنی دیگر انکشافات سے اس کا تطابق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جب تک کہ تمام کارروائی شائع نہ ہو جائے۔ اور ماہرین مل کر کسی ایک نتیجہ پر نہ پہنچ جائیں۔ اس وقت تک یہ اختلافات دور نہیں ہو سکتے۔ مگر پھر بھی ایک دوسرے کو پرکھنے کے لئے کوئی سند موجود نہیں ہوتی۔ جو چیز اس بات پر بس کرتی ہے وہ ذاتی یا انفرادی مشاہدہ اور تجربہ ہوتا ہے یا اگر کوئی کتبہ یا مجسمہ ہاتھ لگ جائے جس میں تمام راز کی کلید موجود ہو۔

یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ ہمارا مقصد صرف اتنا تھا کہ یہ جو مناسبت ہلال خصیب اور وادیٔ سندھ کی تہذیبوں میں پائی گئی ہے ان کو درست یا غلط ثابت کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے، البتہ وقت گذرنے پر مشاہدہ اور تجربہ خود بخود ماہرین کے لئے سند پیش کر دیگا اسی لئے ان میں سے جو کچھ بھی آج تک ثابت ہو چکا ہے اس کو غلط کہنا عقلمندی نہیں ماہرین آثار قدیمہ نے اس وقت بے شمار کام تمام کر دیا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ گذشتہ تاریخ کے جو واقعات صرف بطور قصے اور کہانیاں معلوم تھے انھوں نے ان کو سامنے پیش کر دیا ہے۔

مگر سوال یہ ہوتا ہے کہ جس قدر بھی قدیم آثار ہمیں ملتے ہیں یہ اس طرح کیوں تباہ و برباد ہو گئے؟ ماہرین فن اس کی تین وجوہات بتاتے ہیں:۔

اول یہ کہ یہ مقامات زلزلوں کی وجہ سے تباہ ہو گئے ہوں۔
دوم۔ حملہ آور فوج نے تباہ و برباد کر دیا ہو یا آگ لگا دی ہو۔
سوم یہ کہ اچانک کوئی وبا پھیل جائے جس طرح گذشتہ جنگِ عظیم کے بعد ہوا تھا۔
یہ تینوں دلائل بہت خوب ہیں، اور ان کے ثبوت بھی مل چکے ہیں۔ مثلاً آگ سے تباہ ہونے کے آثار نمرود اور آشور میں ملے۔ عمارات تمام جلی ہوئی اور سیاہ تھیں! اللہ تعالیٰ کی شان ہے یہ کہ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا وہ خود جل کر راکھ ہو گیا۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا	اور روزِ قیامت سے پہلے ضرور ایسا ہونے
قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا	والا ہے کہ (نافرمانوں) کی جتنی بستیاں
عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ	ہیں ہم انھیں ہلاک کر دیں یا عذابِ سخت
فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا۔	میں مبتلا کر دیں یہ بات (قانونِ الٰہی کے)
(بنی اسرائیل)	نوشتہ میں لکھی جا چکی ہے!

اور پھر جب مختلف کتبات برآمد ہوتے جو دوسرے علاقوں سے ملتے تو ان میں ان بربادیوں کا تمام حال درج ہوتا تھا۔ ایسا اکثر ہوتا چلا آیا ہے کہ ایک مقام سے ایک فوج چلتی اور دوسرے مقام پر دھاوا بول دیتی۔ شہر کو اجاڑ کر جب واپس لوٹتے تو اس پر قصیدے لکھے جاتے اور وہ محفوظ رہتے۔ اسی طرح زلزلوں سے بھی وہ مقامات تباہ ہوئے جیسے پومپائی (Pompai)
غرضکہ اس قسم کے واقعات تاریخ میں موجود ہیں مگر ہم کو اس وقت ان تمام دلائل سے جو ماہرینِ فن پیش کرتے ہیں شدید اختلاف ہے۔ ہم بستیوں کے نیست و نابود ہو جانے کی وجہ صرف ایک جانتے ہیں، اور وہ قہرِ الٰہی ہے۔ مستشرقین نے جو دلائل دیئے ہیں وہ بہت حد تک درست ہیں۔ مگر ان وجوہات کے باعث جو بربادی ہوتی ہے وہ بہت قلیل عرصہ تک کے لئے ہوتی ہے۔ بابل کئی مرتبہ تباہ و برباد ہوا مگر بار دگر پیدا شد! بادشاہوں نے ہمیشہ سے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا، ایک آتا، لوٹ کھسوٹ کرتا اور تباہ و برباد

کرتا چلا جاتا۔ دوسرا پھر اور آتا تو اس کو آباد کر دیتا۔ دنیا میں ہزار ہا شہر ایسے ہوں گے جو بادشاہوں کے ہاتھ سے تباہ ہوتے مگر پھر ان کی تعمیر از سرِ نو ہو جاتی۔ زلزلے بھی آتے مگر شہر پھر آباد ہو جاتے۔ دور کیوں جائیے کوٹلہ ہی کو دیکھئے اگرچہ وہ شان و شوکت نہیں تاہم معدوم نہیں ہوا، تجارت آمد و رفت اور آبادی اسی طرح ہے البتہ مکانوں کی ساخت میں فرق ضرور آگیا ہے۔

ہمارا اس تفصیل سے مدعا یہ بتانا تھا کہ جو دلائل و وجوہات ماہرین آثار قدیمہ ان مقامات کے تباہ و برباد ہونے کے بیان کرتے ہیں وہ غلط ہیں۔ تباہ وہی مقامات ہوتے ہیں جو منشاء الٰہی میں ہوں ورنہ وہ پھر آباد ہو جاتے ہیں۔ لاکھ آگ لگے، ہزار زلزلے آئیں اور سینکڑوں فوجیں لشکر کشائی کرتی روندتی چلی جائیں۔ مقامات پھر آباد ہو جاتے ہیں۔ بالکل معدوم نہیں ہو جاتے۔ اسی طرح جب ایک جگہ آباد ہوتی ہے تو اس کی بھی تین وجوہات ہیں۔ یا تو یہ کہ ذرائع آمد و رفت اچھے ہوں اور دوسرے یہ کہ یہاں کا موسم اور آب و ہوا قابلِ رہائش اور کاشتکاری ہو۔ اور سب سے آخر یہ کہ اس کو آباد کرنے کے لئے منشاءِ الٰہی بھی ہو، جس طرح بسا اوقات اللہ تعالیٰ ایک خاص مقام کو کسی قوم کے لئے چن لیتا ہے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ	اور پھر (وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم
فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ	کے لئے پانی طلب کیا تھا۔ اور ہم نے حکم دیا تھا، اپنی
الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا	لاٹھی سے پہاڑ کی چٹان پر ضرب لگاؤ (تم دیکھو گے
عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ	کہ پانی تمہارے لئے موجود ہے۔ موسیٰ نے اس حکم کی
كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ	تعمیل کی) چنانچہ بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور تمام لوگوں
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ	نے اپنی اپنی پانی لینے کی جگہ معلوم کر لی (اسوقت تم
رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا	سے کہا گیا تھا اس بے آب و گیاہ بیابان میں تمہارے
تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ	لئے زندگی کی تمام ضرورتیں مہیا ہو گئی ہیں پس) کھاؤ
مُفْسِدِيْنَ ۝ (بقرہ)	پیو، خدا کی بخشائش سے فائدہ اٹھاؤ اور ایسا نہ کرو کہ

(البقرہ) ملک میں فتنہ و فساد پھیلاؤ (یعنی ضروریاتِ معیشت کے لئے لڑائی جھگڑا کرو یا ہر طرف لوٹ مار مچاتے پھرو۔

اسی طرح جب ایک مقام منشاءِ الٰہی سے تباہ کر دیا جاتا ہے تو وہ دوبارہ آباد نہیں ہو سکتا بلکہ دوسرے لوگ جو بعد میں آتے ہیں ان کے لئے ایک درسِ عبرت بن جاتے ہیں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

سَاُورِیْکُمْ دَارَ الْفَاسِقِیْنَ (اعراف) عنقریب میں تم کو نافرمانوں کے گھر دکھاؤں گا

ایک اور جگہ پر فرمایا ہے۔

فَکُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِہٖ فَمِنْھُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْہِ حَاصِبًا وَمِنْھُمْ مَّنْ اَخَذَتْہُ الصَّیْحَۃُ وَمِنْھُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِہِ الْاَرْضَ وَمِنْھُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا۔ (عنکبوت)

پھر سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر، پھر کسی پر ہم نے ہوا سے پتھراؤ کیا اور کسی کو چیخ نے آدبایا۔ اور کسی کو زمین میں دھنسا دیا، اور کسی کو ہم نے غرق کر دیا۔

تو گویا جب اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت ایک قوم پر نازل ہوتی ہے تو وہ خود اس قوم کے لئے سبب پیدا کر دیتا ہے کہ وہ یہاں بس جائے۔ اور پھر جب وہ نافرمانی کی حد سے باہر نکل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ تاکہ وہ آنے والوں کے لئے ایک سبق بن جائے ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے مقامات کی تباہی و بربادی سے متعلق بہت کچھ لکھ دیا ہے مگر اس طرف کسی کی نگاہ تک نہیں گئی۔ اور درحقیقت جس قدر بھی انکشافات ہو رہے ہیں ان میں سے زیادہ تر ہمارے لئے درسِ عبرت ہیں اور بیشتر مقامات وہی ہیں جن کا ذکر قرآنِ کریم اور دیگر آسمانی صحیفوں نے کیا ہے۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ان مقامات میں بسنے والے لوگوں میں عقیدۂ توحید عام تھا۔ چنانچہ متعدد مقاموں کے نام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اپنے شہروں کو بیت اللہ کہا کرتے تھے۔ ہم نے پچھلے ایک مقالہ میں لاسہ اور لاہور سے متعلق حضرت

مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور اپنی تحقیق بیان کی تھی۔ اس مقالے اور اس موضوع میں کچھ تطابق ہی اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چند ایک اور قدیم بیت اللہ کی طرف اشارہ کر دیا جائے

اُور کلدانی (Ur of the Chaldees.) وہی مقام ہے جہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان کی زندگی اور تبلیغ کا بہت سا حصہ یہاں ہی گذرا۔ پچھلے مقالے میں اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ اُور کا لفظ ہوری سے بنا ہے جو کہ ایک آرین قوم جس کو میتانی (Mitani) کہا جاتا ہے اس کا لقب تھا اور جس کے معنی ہم نے یہ بتائے تھے "(Settlers) آباد ہونے والا" ہمیں حال ہی میں ایک اور تحقیق کا پتہ چلا ہے جو یہ بتلاتی ہے کہ اُور کا اصل، یا یوں کہئے سب سے قدیم نام اُورُکو (Uruku) تھا۔ اس کے متعلق ویڈل صاحب (L.A.Waddell.) اپنی مشہور و معروف کتاب The Makers of Civilisation in Race & History میں (ص ۴۴۰) فرماتے ہیں کہ اس نام کا مطلب (Holy City) ہے یعنی بیت المقدس! لفظ اور کو کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک "اور" اور دوسرا "کو" پہلے حصہ کے معنی "شہر، بستی" یا بیت بتاتے ہیں۔ اور دوسرے حصے کے معنی مقدس لکھتے ہیں۔ گویا جو معنی ہم نے کئے ہیں ان کے بہت لگ بھگ ہیں، بھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اور تھے بسانے والے، جسے ہم نے اپنے پچھلے مقالے میں لکھا تھا اور ان کو بستی سے منسوب کر دیا گیا۔

بہر حال ہمارا مدعا اس سے بھی حل ہو جاتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مقام بھی زمانۂ قدیم سے بیت اللہ ہی رہا ہے مگر مولانا حمید الدین مرحومؒ کی تحقیق کے مطابق اس میں لفظ "لا" معدوم ہے۔ دراصل ایسا نہیں ہے۔ ہم اس بات کو کسی دوسرے مقالے میں علم تقلیل الکلمہ کی مدد سے انشاء اللہ تعالیٰ حل کریں گے اور ثابت کریں گے کہ حضرت مولانا حمید الدین مرحومؒ کا فرمانا بالکل بجا ہے۔

اب ذرا شہر بابل کے لفظ پر غور فرمائیے۔ یہ مقام اُور سے کچھ دور نہیں۔ اسی

ہلالِ خصیب میں واقع ہے اور تقریباً ۲۵۰ میل کا فاصلہ ان دونوں کو علیحدہ کرتا ہے۔ یہ جگہ بھی قدیم تہذیب کا مرکز بہت مدت تک رہ چکا ہے۔ کئی بار تباہ ہوا، اور کئی بار آباد ہوا، مگر بالآخر معدوم ہوگیا۔ انگریزی زبان میں اس کے لئے Babylon کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لغت کے لحاظ سے غلط ہے۔ خط میخی کے کتبوں سے جو نام اس شہر کا حل ہوا ہے وہ یہ ہے Bab-ILi جس سے ہمارے عرب مورخوں نے بابل اور بابلی بنایا۔ اس کے معانی مستشرقین نے The Gate of God یعنی باب اللہ کیے ہیں، یا دوسرے لفظوں میں بیت اللہ کہہ لیجئے۔ یہاں لفظِ لا موجود ہے۔

ہمارا مقصد سطورِ بالا سے صرف دو باتیں واضح کرنا ہے۔ اول یہ کہ آج کل قدیم تاریخ کے ماہرین جو کچھ ہمیں دکھا رہے ہیں وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ ہمارے لئے درسِ عبرت ہوں اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ اکثر مقامات کا تعین خود کر لیا کرتا ہے۔ اور بسا اوقات عبادت کا مرکز بنا کر اس مقام کو بڑھا دیتا ہے اور جب وہاں کے لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منحرف ہو جاتے ہیں تو وہاں نبی بھی آتے ہیں جو قوم کی زبان میں تبلیغ کرتے ہیں۔ اور اگر نبیوں کی آمد کے باوجود لوگ عبادت میں تحریف پیدا کر دیں تو اللہ تعالیٰ ان مقامات کو اور ان میں بسنے والی قوموں کو نیست و نابود کر دیتا ہے تاکہ آئندہ آنے والے دیکھیں اور نصیحت پکڑیں۔ ان تمام اقوام کی گمراہی یہی ہوا کرتی تھی کہ وہ

> "حقیقت[1] کو چھوڑ کر مظاہر کی پرستش کرنے لگتے تھے کیونکہ وہ اس کے سامنے شاہد اور محسوس ہیں۔ حالانکہ مظاہر صرف "حقیقت" کے وجود اور اس کی ہستی کے لئے دلیل ہیں نہ کہ بجائے خود "حقیقت" اسی لئے تغیر و تبدل، وجود و فنا، طلوع و غروب، ناپائیداری و بے ثباتی، مظاہر کے رگ و ریشے میں سرائیت کئے ہوئے ہے اور حقیقت (ذاتِ واحد) ان تمام تغیرات سے پاک اور بالاتر ہے۔"

---

[1] قصص القرآن ج ۲ ص ۲۵۷ مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی۔

ان لوگوں کا حشر ہم کو بخوبی معلوم ہے۔ یہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ چنانچہ یہ جو مقامات ہم آج کل دیکھ رہے ہیں یہ وہی مقامات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قہر کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے ان کے متعلق بہت کچھ پیش کیا جا چکا ہے اور بہت کچھ پیش کرنا ابھی باقی ہے۔

ہم نے مضمون کے آغاز میں وادی سندھ کا بھی ذکر کیا تھا اور کہا تھا کہ مشرقِ وسطیٰ کے قدیم مقامات سے اس کو بہت کچھ مناسبت ہے یہ موضوع درحقیقت اثریات (Assyriology) کی حدود میں پڑتا ہے اور ماہرین اثریات اس بات پر مورخین اور مستشرقین کے ساتھ متفق ہیں کہ سامی اور غیر سامی اقوام کی تقسیم درست ہے۔ ہماری نگاہ میں یہ تقسیم محض عارضی ہے۔ کسی خدائی صحیفہ میں نہیں لکھا کہ ضرور ایسا ہوگا۔ ایک نظریہ سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

جس وقت میکس مولر (Max Muller.) نے اپنی رائے اس کے متعلق ظاہر کی تو اس کی نگاہ میں اس وقت زبانوں کی تقسیم تھی نہ کہ اقوام کی۔ اس نے اپنے لئے سہولت پیدا کرنی چاہی اور آرین کا نظریہ پیش کر دیا۔ آرین سے اس کا مقصد کوئی خاص قوم نہ تھا بلکہ چند ایک زبانیں جو آپس میں ملتی جلتی ہیں ان کا اصل منبع معلوم کرنا چاہا۔ چونکہ اس نام سے ایک قوم موجود تھی لہذا یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی اور مورخین نے یہ تصور کر لیا کہ سامی لوگ اکثر نسلاً عرب ہیں اور غیر سامی آرین ہیں۔ چنانچہ یہ تقسیم ماہرین آثار قدیمہ نے بھی اپنالی اور جب ہلالِ خصیب میں سامری[2] اور اکادی[1] اقوام کی تشخیص ہوئی تو فیصلہ یہ ٹھہرا کہ سامری غیر سامی[3] لوگ ہیں یعنی آرین اور اکادی سامی ہیں۔ یہ مسئلہ بڑھتے بڑھتے اس قدر پیچیدہ بن گیا کہ ماہرین اثریات کے لئے خود وبالِ جان ثابت ہوا اور آج تک اس مسئلہ کا صحیح حل کوئی

---

[1] اکادی Akkadians. ہلالِ خصیب کے شمال میں آباد تھے۔

[2] سامری Summerians ہلالِ خصیب کے جنوب میں آباد تھے۔

[3] غیر سامی Non-Semetic یعنی سامری Summerians یا آرین Aryans

پیش نہیں کرسکا۔ اقوام کے مدوجزر نے اس قدر اختلاط پیدا کردیا کہ یہ کہنا فلاں قوم فلاں علاقہ سے تعلق رکھتی ہے بالکل ناممکن ہے۔

پھر جو اقوام بائیں طرف سے لکھنا شروع کرتی تھیں ان کو غیر سامی یا سومری یا آرین کہدیا گیا اور جن کا رسم الخط دائیں طرف سے شروع ہوتا تھا ان کو سامی بتایا گیا۔ بہت حد تک تو قیاس درست تھا مگر زبان کے اختلاف کی وجہ سے اگر اقوام کو مختلف بتایا جائے تو کہاں کی عقلمندی ہے! اس سے کہیں خدانخواستہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ میں قومیت کے خلاف ہوں۔ میری دانست میں مسئلہ اقوام اور مسئلہ قومیت دو مختلف چیزیں ہیں۔ اور چونکہ قومیت کا سوال ہمارے موضوع سے اس وقت خارج ہے اس لئے ہم اس پر لکھنے سے پرہیز کرتے ہیں۔

بہرحال حضرت آدم علیہ السلام سب ہی کے جدامجد ہیں تو پھر اختلافِ اقوام کے کیا معنی؟ البتہ ہم اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ایک زمانہ میں آرین ضرور عروج پر تھے اور انھوں نے اس وقت کی تہذیب میں بہت کچھ اضافہ کیا۔ اس مسئلہ پر جن احباب کو مزید اطلاعات کی ضرورت ہو، اور مطالعہ کا شگفتہ مذاق رکھتے ہوں تو ایسے اصحاب کو حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی تصنیف ترجمان القرآن جلد دوم میں سورۂ کہف کی تفسیر کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ یہ تفسیر نہایت غور وخوض کی مقتضی ہے۔ ہم نے اس موضوع کا بہت تفصیل کے ساتھ مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مولانا آزاد نے نہایت ہی خوش اسلوبی سے اس تمام علم کو بہت مختصر طور پر قلمبند کردیا ہے۔ ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند! اور بھی متعدد مقاموں پر مولانا نے اس موضوع پر مدلل بحث کی ہے جو کہ نہایت درجہ داد و تحسین کی حقدار ہے۔

اب ہم اپنے اصلی موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی ہلال خصیب اور وادی سندھ کی تہذیبوں میں کیا مناسبت ہے۔

سر رادھا کرشن فرماتے ہیں:۔

کلالیکم نیا (Kala li Kam naya.) یا کبھی کملا تا نترا

(Kolji Kamla Yantra.) میں ایک روایت ہے جس کے معانی یہ ہیں "ہندوستان میں چلے جاؤ اور تمام ملک پر اپنا تسلط جمالو میں تمہارے تک نہیں پہنچوں گا جب تک تم وہاں حکمراں نہ ہوجاؤ گے"۔ [1]

پیشتر اس کے کہ میں اس کی تفصیل کروں ایک اور حوالہ دے دینا بہتر سمجھتا ہوں تاکہ جس وقت میں ان دو مقاموں کی مناسبت قائم کروں تو قارئین کرام کے سامنے ہر دو اسناد موجود ہوں جس پر میرے ثبوت کا دارومدار ہوگا۔ ہندوستان کے مشہور[2] ماہر آثار قدیمہ، جو وادی سندھ میں بھی مشغول کار رہے ہیں اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

"سومری اور سامی لوگ جو سمندر پار سے آئے ان سے انھوں نے اپنی تہذیب حاصل کی"

اب ہم ان دونوں حوالہ جات کی مناسب تفصیل بیان کرتے ہیں۔ سر رادھا کرشن والے اقتباس میں کہا گیا تھا "ہندوستان چلے جاؤ" مگر اس میں یہ ذکر نہیں کہ کون؟ اور کہاں سے؟ یہ اقتباس موصوف کے مقالے کے اس حصہ سے ہے جہاں آپ آرین کا ذکر کرتے ہوئے ان کو ایران تک پہنچاتے ہیں۔ اور جب بعد میں وہ ہندوستان کی طرف ہجرت شروع کرتے ہیں، تو اس کو موصوف مذہبی رنگ میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ یہ ہجرت بھی وحی کے حکم کے مطابق ہو! دوسرے حوالے میں ذکر ہے کہ "انھوں نے تمام تہذیب حاصل کی" تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کن لوگوں نے؟ پتھاوالا صاحب ذکر وادی سندھ کے لوگوں کا کر رہے ہیں اس لئے اس میں چنداں اشتباہ کا امکان نہیں۔ اب سطور بالا سے یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ سندھ میں جو جدید معلومات ہو رہی ہیں ان کا تعلق یقیناً ہلال خصیب کی تہذیب سے ہے، اور یہ تہذیب وہاں سے آئی ہوئی ہے۔ ہمارے ہندوستانی مورخین اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ہم بھی

[1] Sir S. Radha Krishan, Essay on Hinduiosm
Legacy of India.

[2] A Geographical Analysis of the Lower Indus Basin
By. Manek. B. Pathawala.

ان کو منوانا نہیں چاہتے۔ مگر کچھ امور جو غور طلب ہیں ضرور ان کی طرف ایسے احباب کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ وادی سندھ کی تہذیب ڈراوڑ تہذیب تھی۔ اور جس وقت آرین آئے تو انھوں نے اس تہذیب کو موجود پایا۔ ہوسکتا ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں۔ مگر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ تہذیب جو ہمیں اب موہنجوداڑو اور مہڑیا میں ملی وہ دراوڑی تہذیب ہی ہے اور آرین تہذیب نہیں؟ ہمارے پاس اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ آرین ہی تہذیب تھی ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آرین کا دور دورہ شروع ہوا تو اس وقت سندھ میں اور ممکن ہے ہندوستان کے دیگر مقامات میں واقعی ہی ایک دراوڑ تہذیب ہو۔ بات صرف یہ ہوئی کہ آرین آئے تو اسی طرح حملہ آور ہوئے۔ جس طرح پہلے ہوتے چلے آئے تھے۔ آبادیاں گراتے اور ان کی جگہ دوسری آباد کرتے ہوئے۔ ہندوستان میں سب سے زرخیز علاقہ سندھ اور پنجاب ہی کا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنا قیام اول اول انہی دو جگہوں تک محدود رکھا۔ دراوڑان سے کئی صدیاں پیشتر جنوب کی طرف سے آچکے تھے۔ تھے یہ دونوں ایک ہی نسل سے ہیں جن کو علیحدہ ہوئے کئی صدیاں یا ہزار سال سمجھ لیجئے، ہو چکے تھے۔ اور ان کے خط و خال و رنگ و روپ میں جو اختلاف واقع ہوگیا تھا، تو وہ محض موسم کی وجہ سے تھا۔

یہ ایک حقیقی امر ہے کہ آب و ہوا نسلوں کے نہ صرف رنگ و روپ اور خط و خال کو بدل دیتی ہے بلکہ ان کی بود و باش نشست و برخاست اور ان کی عادات کو بھی کلیتہً تبدیل کر دیتی ہے یہ موسم کا خاصہ ہے اور اس کی تفصیل بہت لمبی ہے۔ اگرچہ یہ بات ہمارے موضوع سے ہٹی ہوئی ہے تاہم اس کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصاراً تھوڑا بہت عرض کر دیا جائے۔

انسانی معاشرت آب و ہوا کے ساتھ منضبط ہے۔ مشاہدہ اور تجربہ یہی بتاتا ہے۔ کہ آب و ہوا کا اول اثر و تعلق مقامات کی مٹی میں ہوتا ہے اور بعد میں ان کے خط و خال و رنگ و روپ پر

آب وہوا اپنی خاصیت کے مطابق مٹی کے رنگ کو بدلتی رہتی ہے اور اسی نسبت سے اس کا اثر انسانی رنگ وروپ کو بھی بدلتا رہتا ہے۔ اگر آب وہوا میں اعتدال اور رطوبت ہے تو مٹی کا رنگ سیاہ ہوگا۔ جوں جوں رطوبت کم ہوتی جائیگی۔ بوجہ سردی یا گرمی کی شدت سے مٹی کا رنگ بھی ہلکا ہوتا جائیگا۔ یہانتک کہ جب ایک مقام میں دونوں موسم اگر شدت سے ہوں بغیر سردی کے تو وہاں کی مٹی کی رنگت سفیدی مائل یا پیلاہٹ پر ہوگی اور وہاں کے باشندوں کے رنگ بھی سفید ہوں گے۔ اس مشاہدہ کے لئے ہم دور نہیں جاتے۔ ہندوستان کے ہی مختلف حصوں کو بطور مثال پیش کرتے ہیں۔

آپ صوبہ مدراس سے سفر شروع کیجئے۔ اور سنٹرل انڈین اسٹیشن سے ہوتے ہوئے پنجاب کی طرف آیئے اور یہاں سے ملتان ہوتے ہوئے کوئٹہ اور بلوچستان کی سیاحت کیجئے آپ کو موسموں میں اختلاف کا پتہ چل جائے گا اور جوں جوں موسم بدلتا جائیگا اس جگہ کی مٹی کا رنگ بھی بدلتا جائے گا۔ یہانتک کہ جنوب اور وسط ہند کی سیاہ مٹی پنجاب میں گندمی رنگ اختیار کرلیتی ہے اور کوئٹہ پہنچتے ہی اس کا رنگ پیلاہٹ پر آجاتا ہے۔ اور اس کے مطابق ہی باشندوں کی رنگت بھی بدلتی جاتی ہے۔

میرا یہ نظریہ اپنے ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے اور سفر کے وقت میں نے ان امور کا خاص خیال رکھا تھا کہ کہیں غلطی نہ لگ جائے۔ ممکن ہے ماہرین کے پاس اس کے اور وجوہ ہوں، مگر یہ امر کہ یہ بات ایک حقیقت ہے، اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اس بات کی تصدیق ہم نے ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی کی، جو اختصاراً عرض ہے۔

وسط اور جنوبی ایران، عراق، شام اور فلسطین (علاوہ ساحلی علاقوں کے) مصر وغیرہ ان تمام ممالک میں رطوبت آب وہوا میں موجود نہیں اور موسم گرما وسرما دونوں شدت سے ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ ہم ہندوستانی ان کا تخیل بھی قائم نہیں کرسکتے۔ ان تمام مقامات پر مٹی کا رنگ پیلاہٹ پر ہے اور باشندوں کے رنگ سفید اور کھلے کھلے، ایران کا

شمالی حصہ جو بحیرۂ خزر کے جنوب میں ہے وہاں کے موسم میں رطوبت ہوتی ہے آپ گیلان مازندران اور آذربائیجان کی سیاحت کیجئے۔ گرمیوں کے موسم میں آپ دو مہینے ضرور ہوا میں رطوبت محسوس کرینگے۔ ان علاقوں کی مٹی کی رنگت گندمی رنگ کی ہے اور باشندوں کے رنگ اکثر گندمی ہیں۔ یہ حال طہران تک ہے اس کے بعد آب وہوا میں شدت اور رنگ سفید نظر آتے ہیں۔ مٹی کا یہ حال ہے کہ تمام مکانات اس طرح معلوم ہوتے ہیں جیسے ان پر ملتانی مٹی کا لیپ کیا ہوا ہے جس طرح بچوں کی تختیوں پر ملی جاتی ہے!

یورپ کا موسم ان علاقوں سے مختلف ہے اور پھر یورپ کے بحیرۂ روم کے خطے کچھ اور اختلاف موسم میں رکھتے ہیں۔ یورپ میں گرمی شدت سے نہیں ہوتی تاہم رطوبت بھی مفقود ہے مگر موسم سرما شدت کا ہوتا ہے اس لئے اس جگہ کی مٹی کا رنگ بجائے سیاہی یا سفیدی کے کچھ سرخی مائل ہوتا ہے۔ اکثر مکانات کی تعمیر پتھروں سے ہوتی ہے اس لئے مٹی کا رنگ اچھی طرح واضح نہیں ہوسکتا، تاہم جو چیزیں مٹی سے بنتی ہیں اس سے مٹی کی رنگت کا اندازہ لگ سکتا ہے۔ بحیرۂ روم کے علاقوں میں پھر رطوبت بڑھ جاتی ہے اور اسی طرح اس میں مناسب تبدیلی واقع ہوجاتی اور باشندوں اور باشندوں کے رنگ بھی گندمی نظر آتے ہیں مثلاً ہسپانیہ، اٹلی، ترکی وغیرہم والقصہ بطولہا۔

ہمارا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ آب وہوا کس طرح انسانوں کی زندگی میں ان کے ہر پہلو پر اثر کرتی ہے کہ دراوڑ جو کہ دراصل آرین ہی کی نسل سے تھے مگر ان سے بہت پہلے مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے اور مختلف موسموں میں رہتے ہوئے جب یہ ہندوستان میں پہنچکر جنوب کی طرف سے شمال کو بڑھے تو ان میں بے اندازہ فرق ہوچکا تھا۔ اسی آب وہوا نے ان کی شکل و شباہت اور ان کی تہذیب کو بدل دیا تھا۔ جب آرین آئے تو ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کو بار دیگر جنوب کی طرف دھکیل دیا۔ اور ان کی تہذیب کو تباہ و برباد کرکے اس کی جگہ ایک نئی تہذیب کی بنیاد رکھی۔

یہ بھی ایک حقیقی امر ہے کہ فاتح قوم ہمیشہ مفتوح پر اپنے تمدن اور تہذیب کا اثر ڈالتی ہے۔ اور غیر شعوری طور پر یہ ثابت کرتی ہے کہ ہمارا ہی تمدن اور ہماری ہی تہذیب سب سے بہتر ہے لہذا اس کو رائج ہونا چاہیئے۔ اس میں بھی بہت سی حقیقتیں پنہاں ہیں۔ فاتح قوم جب تک مفتوح قوم سے زیادہ ترقی یافتہ نہ ہوگی۔ اس کا فاتح بننا ہی ناممکن ہے۔ اور جب پھر اسی ترقی یافتہ قوم کی تہذیب اور اس کا تمدن گرنے شروع ہوتے ہیں تو وہ قوم ختم ہو جاتی ہے اس کی جگہ پھر دوبارہ کوئی دوسری قوم صالح حکمراں ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	اللہ نے وعدہ کرلیا ہے ان لوگوں کے ساتھ جو
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	تم میں سے ایمان والے ہیں اور جنھوں نے نیک
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ	کام کئے اور بعد میں ان کو ضرور حکمراں کرونگا
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ	ملکوں پر جس طرح ان سے پہلوں کو حکمراں
لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ	کیا تھا اور ان کے لئے پکا کردیگا ان کا دین
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ	اور دیگا ان کو جو وہ پسند کریں گے۔ اور
اَمْنًا۔	ملیگا ان کو امن خوف کے بدلے۔

مندرجہ بالا آیت میں شرط حکومت مسلم اور غیر مسلم کے لئے یکساں ہے جیسے قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ۔

چنانچہ جب آرین کا ورود ہندوستان میں ہوا تو دیکھکر کہنے لگے کہ یہ دراوڑ کیسے سیاہ رنگ کے لوگ ہیں اور غالباً جب ان کے تین ہزار برس بعد مسلمان لشکروں نے حملہ کیا تو انھوں نے بھی یہی کہا ہوگا۔ انگریز کا تو یقیناً یہی رویہ ہے اور اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس کی نفسیاتی تحلیل بھی ہلکی سی کی جائے تو ممکن ہے اس میں بہت کچھ ہیچ مقداری کا عنصر ملا ہوا پایا جائے۔ مگر کون مانتا ہے ایسی تحلیل کو؟ حیرت کا مقام ہے کہ عیسائی مورخین بھی تقسیم

اقوام میں یقین رکھتے ہیں۔ جن کا یہ ایمان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے ہی دنیا شروع ہوئی۔ ہماری نگاہ میں یہ اختلاف محض رنگ وزبان کا ہی پیدا کردہ ہے۔ ورنہ مسئلہ اقوام کوئی شے نہیں!! اللہ تعالیٰ نے قبیلے اور خاندان محض شناخت کے طور پر بنائے ہیں نہ کہ ان میں تفرقہ پیدا کرنے کے لئے۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تابکجا

دل تو چاہتا ہے کہ کچھ اور تفصیل میں جاکر مستشرقین کی آنکھیں کھول دی جائیں۔ مگر طبیعت مانع ہے۔ یہاں پر اتنی تفصیل کافی معلوم ہوتی ہے اور پھر کلمو الناس علی قدر عقولھم!!

یہ جو ابھی سطورِ بالا میں ذکر کیا ہے کہ آرین اقوام کو ہجرت کا حکم ہوا کہ وہ ہندوستان میں آئیں اور حکومت کریں تو اس ضمن میں عرض کیا تھا کہ ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ وحی کے ماتحت حکم ہو جو ان کے کسی نبی کو ہوئی ہو۔ اس طرح ہوتا آیا ہے۔ جیسے اسرائیلیوں کے انبیاءؑ کو ہوتا رہا مگر وہ تعمیل کے بعد نافرمانی کرتے اور پھر اس صفحۂ ہستی سے یک قلم مٹا دیئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم ہمیں یاد دلاتا ہے۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا
هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا
مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا
حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ
سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ
خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ
الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(اعراف)

اور پھر (وہ واقعہ یاد کرو) جب بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا اس شہر میں جاکر آباد ہو جاؤ (جس کے فتح کرنے کی تمہیں توفیق ملی ہے) اور (یہ نہایت زرخیز علاقہ ہے) جس جگہ سے چاہو اپنی غذا حاصل کرو، اور تمہاری زبانوں پر حِطَّۃٌ کا کلمہ جاری ہو، اور اس کے دروازے میں داخل ہو تو (اللہ کے حضور) جھکے ہوئے ہو، ہم تمہاری خطائیں بخش دینگے اور نیک کرداروں کو (اس سے بھی) زیادہ اجر دیں گے

ممکن ہے اس قسم کا کوئی اور حکم ہوا وران کو ہدایت کی گئی ہو کہ فلاں ملک میں لوگ نافرمانی پر تلے ہوئے ہیں تم جاکر توحید کا اعلان کرو اور اللہ کی حکومت کو مستحکم بناؤ۔ اگرچہ تم کتنی ہی قلیل مقدار میں کیوں نہ ہو۔ چنانچہ وہ آئے اور انھوں نے قبضہ کرلیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ایسا ہی ہوتا ہے۔

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ (بقرہ) اور کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر حکم الٰہی سے غالب آگئیں۔

آرین نے دراوڑوں کو نکال کر جنوب کی طرف دھکیلا اور عالمگیر تہذیب کی بنیاد رکھی پیشتر کہ ہم یہ بتائیں کہ آرین نے موجودہ تہذیب کے اندر کیا کچھ اضافہ کیا، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ سہولت کے لئے اس طرف بھی اشارہ کردیا جائے کہ آرین کس طرف سے ہندوستان آئے اور کب آئے؟

مورخین یہ کہتے آئے ہیں اور اب بھی کہتے چلے جاتے ہیں کہ آرین اقوام ڈیڑھ ہزار سال ق م کے قریب ہندوستان میں شمال کی طرف سے وارد ہونا شروع ہوئیں۔ اور تقریباً پانصد سال ق م تک آتی رہیں۔ ہمارا بنیادی اختلاف یہاں ہے۔ ہماری دانست میں آرین اقوام ہندوستان میں پہلے پہل سندھ میں آئیں، کچھ خشکی کے راستے ساحل کے ساتھ ساتھ اور کچھ سمندر پار کرکے پہنچیں۔ اوران کے آنے کا وقت چار ہزار سال ق م ہے اور ڈیڑھ ہزار سال ق م تک یہ آتی رہیں۔ اس کے بعد اگر ان کی ہجرت جاری رہی تو وہ بہت قلیل تعداد میں تھی۔ جس طرح آج کل بھی گاہے گاہے ایرانیوں کی نقل وحرکت ہوتی رہتی ہے اور وہ پونہ یا بمبئی میں آکر بس جاتے ہیں۔ تہذیب کا مرکز بدل چکا ہے۔ اگر وہ قدیم مرکز ہی چلا آتا تو شاید یہ سندھ ہی کے کسی گوشے میں بیٹھ جاتے مگر یہ تعداد اسقدر قلیل ہے کہ اس کو ایک قوم کی نقل وحرکت نہیں کہا جاسکتا۔

سطور بالا میں اشارہ کیا گیا ہے کہ آرین ساحل کے ساتھ ساتھ اور سمندر پار کرکے سندھ میں پہنچے یعنی وہ شمال کی طرف سے نہیں آئے۔ اگر شمال کی طرف سے ان کی آمد شروع ہوئی تو یہ بہت

بعد کا واقعہ ہے، جب موسم موافق ہو چکا تھا اور آمدورفت میں کسی قسم کی رکاوٹ اور دقت نہ تھی۔ جس وقت وادی سندھ شاداب و سرسبز تھی اس وقت ہندوستان کے شمالی سلسلے دائمی طور پر برف سے ڈھکے رہتے تھے۔ ان پر سے عبور ناممکن تھا۔ اسی طرح جب عراق وعرب سرسبز تھے تو یورپ برف کے نیچے دبا ہوا تھا۔ موسم اسی طرح بدلتے رہتے ہیں اور اب بھی بدل رہے ہیں گویا جب آرین کے اولین گروہ ہندوستان میں آئے تو وہ شمال کی طرف سے نہیں آئے تھے ایک تو یہ کہ اُدھر سے عبور مشکل تھا دوسرے یہ کہ ہمیں اب جو کتبات اور مہریں (Seals.) مل رہی ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی آمدورفت اسی طرف سے تھی جو ہم نے ابھی عرض کی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ یہ جو تہذیب ہڑپا اور موہنجوداڑو میں برآمد ہوئی ہے یہ کون تہذیب ہے؟ تو ہمیں کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آرین تہذیب تھی۔ ان کتبات میں زیادہ تر کاروباری معاملات (Business Transactions.) مذکور ہیں۔ جو ہلالِ خصیب کی اقوام سے ہوتے رہے۔ اور چونکہ وہاں انہی آرین کے بھائی بند تھے۔ انھوں نے آتے ہی ان سے راہ ورسم کو قائم رکھا مگر ان سے پیشتر ہمیں کوئی اس قسم کا ثبوت اس وقت تک مہیا نہیں ہو سکا جو ثابت کرے کہ یہ مہریں یعنی (Seals.) دراوڑوں کی ساخت ہیں۔ بلکہ ان مہروں کی ساخت اور مشابہت اُور اور بابل سے برآمد شدہ مہروں سے اسقدر زیادہ معلوم ہوتی ہیں جیسے وہاں ہی کی آئی ہوئی ہیں۔ مکانات اور سِکّوں کے نقشوں میں بہت مشابہت ہے۔ یہ مہریں اور کچھ کتبات جو حاصل ہو چکے ہیں، ماہرینِ آثارِ قدیمہ کا قیاس ہے کہ یہ تین ہزار اور سات سو قبل مسیح کی ہیں۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ آرین کا ورود ہندوستان میں تقریباً چار ہزار سال ق م میں ہوا۔ ایک اور چیز جو بہت نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ جو دیوتاؤں کے نام ہمیں یہاں دستیاب ہوئے ہیں وہ وہی دیوتا ہیں جو آرین کے ہندوستان آنے سے پیشتر کے تھے۔ چند ایک بادشاہوں کے ناموں میں بھی مماثلت پائی گئی ہے واللہ اعلم بالصواب

جب آرین سندھ میں پہنچے تو انھوں نے دراوڑی کو وہاں موجود پایا چونکہ اسوقت

ہندوستان میں سب سے بہتر علاقہ وہی تھا۔ اور ممکن ہے ان کی تہذیب بھی موجود ہو۔ مگر یہ کہاں تک ترقی کر چکی تھی۔ اس کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ البتہ ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ آرین جب ہندوستان آئے تو بہت مہذب تھے اور غالباً دنیا کی تمام اقوام سے اس وقت مہذب ترین تھے چنانچہ ایسا ہوا ہوگا کہ شروع شروع میں جب انھوں نے تمام اچھے مقامات پر قبضہ جمالیا اور آہستہ آہستہ پرانی تہذیب کو اپنی نئی تہذیب سے بدل دیا۔ اور پھر جب شمالی علاقوں کا موسم موافق ہوتا چلا گیا تو یہ بھی اس طرف بڑھتے گئے۔ یہانتک کہ پنجاب پہنچے اور وہاں سے ہوتے ہوئے گنگا کی وادی میں بھی وارد ہوئے۔ ان علاقوں پر جب یہ پوری طرح قابض ہوگئے تو پھر انھوں نے اپنی تہذیب کا پوری طرح پرچار کیا۔ اپنی تاریخیں اور مذہبی صحیفے مکمل کرنا شروع کر دیئے جو اس وقت تک چلے آتے ہیں اور بہت حد تک محفوظ بھی ہیں۔

بال گنگا دھر تلک اپنی کتاب میں (Artic Home in the Vedas) جو ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی تھی اور ایک عرصہ ہوا اب نایاب ہو چکی ہے۔ فرماتے ہیں کہ آرین دیوتاؤں کی صفات تمام تر قطبی ہیں (Polar Attributes.) ان کا مطلب یہ ہے کہ آرین درحقیقت قطب شمالی کے باشندے تھے اور وہ ایران آنے سے پیشتر وسط ایشیا میں آچکے تھے۔ لہٰذا ان کے مذہب میں خلل پیشتر ہی سے پڑ چکا تھا۔ مگر ان میں ایک گروہ ایسا ہر وقت رہتا تھا جو اصل مذہب سے واقف تھا۔ چنانچہ آج کل بھی دیکھ لیجئے۔ اب تو خیر تعلیم یافتہ تثلیث کے قائل ہی نہیں رہے اور اصل چیز کی طرف آرہے ہیں۔ تلک صاحب دیگر ذرائع کے علاوہ رمل و نجوم کے ذریعے اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ہم اپنے پچھلے ایک مقالے میں اس بات کا ذکر کر آئے ہیں کہ اقوام کی گردش ایک مدت طویل سے جاری ہے اور دنیا کا گوشہ ایسا کوئی نہیں جہاں انسان ایک دفعہ پہنچکر اپنے اصلی مقام کی طرف نہ لوٹا ہو، اور پھر وہاں سے بار دگر دوسری سمت میں ہجرت نہ کر گیا ہو۔ اور اس کی وجوہات بھی ہم نے مختصر طور پر بیان کی تھیں۔ ایک موسموں کا تغیر تھا اور دوسرے تلاش معاش اور آخری وجہ جو ہم نے بیان کی تھی وہ بڑھتا اقتدار اور تسلط کی حرص تھی۔

اگر تلک صاحب کا یہ نظریہ درست مان لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ قطب شمالی سے آرین اس وقت لوٹے جب وہاں کا موسم رہائش کے قابل نہ رہا اور سخت سردی اور برف کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اول دفعہ انھوں نے موجودہ مذہب کا تخیل وہاں ہی قائم کیا کیونکہ ان کے تمام دیوتاؤں کی صفات پولر یعنی قطبی ہیں مگر جب یہ وہاں گئے تو ان کا مذہب مختلف شکل میں ہوگا۔ اور یہ اُدھر پہنچے بھی وسطِ ایشیا سے ہی ہو کر۔ ان کا آتے وقت وسطِ ایشیا میں قیام نہیں ہوا۔ یہ سیدھے ہلالِ خصیب میں چلے آئے۔ لاسہ جو ان کا قدیم مذہبی مرکز تھا تو اس کی بنیاد انھوں نے جاتے وقت رکھی۔ اور ممکن ہے جب یہ واپس لوٹے ہوں تو یہاں موسم قابلِ رہائش نہ رہا ہو اسی وجہ سے یہ ایران اور ہلالِ خصیب کی طرف بڑھے۔ کیونکہ یہ علاقے اس وقت دنیا کے زرخیز ترین علاقے تھے۔ سندھ اور عراق کی آب و ہوا میں بہت حد تک مماثلت ہے۔ لہٰذا یہ دونوں علاقے زمانہ قدیم میں ایک ہی موسم رکھتے ہونگے اور ان کا تغیر بھی بیک وقت ہوتا رہا ہوگا۔ خطِ میخی کے قدیم کتبوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان علاقوں میں کس قدر باغ ہوا کرتے تھے۔ اور کس طرح پہاڑوں پر درخت تھے، اور چشمے رواں تھے۔ مگر اب سب کچھ معدوم ہو چکا ہے۔

مندرجہ بالا بیان میں ہم نے اختصار کے ساتھ وادی سندھ اور ہلالِ خصیب کے تعلقات بیان کر دیئے ہیں۔ ہمارا مقصد اس عرصۂ طویل کی تاریخ بیان کرنے میں فقط اتنا تھا کہ آیتِ قرآنی فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝ جس طرف اشارہ کرتی ہے اس کا تاریخی معائنہ کرا دیا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ چند ایک دیگر مقامات کے متعلق جو قرآنی تاریخ کے لحاظ سے بہت اہم ہیں ہم آئندہ کسی وقت کچھ اور عرض کریں گے تلك القرىٰ نقص عليك من انباءها!!